عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے خدمت خلق وشفقت علی الخلق کی یہ اعلیٰ تعلیم ہے جس کی وجہ سے آج عیسائی رفاہی اور خدمت خلق کے کام سب سے زیادہ اور بڑے پیمانے پر سرانجام دے رہے ہیں۔ اسپتال قائم کرتے ہیں اور پھر ان میں لگن اور تندہی سے ڈیوٹیاں سرانجام دیتے ہیں۔ اسی طرح بہت سے رفاہ عامہ کے کام کر کے ان کے ذریعے سے اپنے مذہب کی اشاعت کرتے ہیں، لوگوں کو اپنا گرویدہ بناتے ہیں اور اپنا سیاسی، سماجی اور ثقافتی اثر چھوڑتے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے لمحہ فکر یہ ہے کہ ایسی ہی تعلیم ہمارے آقا محمد ﷺ نے بھی دی ہے، خدمت خلق کے ایسے ہی فضائل و درجات آپ نے بھی بیان کیے ہیں اور دنیا و آخرت کا اجر بتایا ہے پھر ہم مسلمان ان پر عمل کر کے اپنی دنیا و اخرت کیوں نہیں بناتے اور کامیابی حاصل کیوں نہیں کرتے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام

قرآن مجید میں جن رسولوں کا کثرت سے تذکرہ ہوا ہے، ان میں سے ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ یہ اولوالعزم نبی، رسول، ابوالانبیاء، خلیل اللہ اور امام الناس ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے خلیل (دوست) برگزیدہ اور پیارے نبی کا ذکر، امۃ، حنیف اور مسلم کے ناموں سے متعدد مرتبہ کیا ہے۔ آپ ہمارے رسولِ مقبول حضرت محمد ﷺ کے جدِ امجد ہیں۔ گویا مسلمان نہ صرف اُمتِ محمدیہ سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ اُمتِ ابراہیمی سے بھی متعلق ہیں۔ اسی لیے مسلمان حضورِ اکرم ﷺ کے ساتھ ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد پر بھی درود بھیجتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کا نام بروایت تورات اللہ تعالیٰ نے خود رکھا ہے۔ اکثر مفسروں اور نحویوں کے نزدیک زیادہ تر انبیاء کے ناموں کی طرح ابراہیم بھی عجمی لفظ شمار کیا ہے اور بغیر تنوین کے پڑھا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے آبائی وطن اور زمانے کے بارے میں بائبل، تاریخی روایات اور جدید تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۲۱۰۰ ق م میں عراق کے شہر اُر (عر) میں پیدا ہوئے، جہاں کے معاشرے میں اس وقت شرک، بت پرستی اور توہم پرستی عام تھی۔

دنیا کے دوسرے خطوں کی طرح وہاں بھی طبقاتی نظام رائج تھا اور آبادی تین طبقوں پر مشتمل تھی۔ یہ طبقات ایسے ہی تھے جیسے ہندوؤں میں موجود ہیں۔ فوجی خدمات سرانجام دینے والوں اور مذہبی افراد کا تعلق اونچے طبقے سے تھا جنہیں عمیلو کہا جاتا تھا۔ دوسرا طبقہ تاجروں، صنعت کاروں اور زمینداروں کا تھا جسے مشکینو کہا جاتا تھا اور تیسرا طبقہ غلاموں اور خادموں کا تھا جسے آردو کہا جاتا تھا۔

حضرت ابراہیمؑ نے عمیلو کے اونچے طبقے میں آنکھ کھولی تو پوری قوم کو شرک و بت پرستی میں غرق پایا۔ حضرت ابراہیمؑ کے دور میں شرک محض ایک مذہبی عقیدہ اور بت پرستانہ عبادت کا مجموعہ ہی نہ تھا۔ بلکہ درحقیقت اس قوم کی پوری معاشی، تمدنی، سیاسی اور معاشرتی زندگی کا نظام اسی عقیدے کے محور پر رواں دواں تھا۔ اس کے مقابلے میں حضرت ابراہیمؑ توحید کی جو دعوت لے کر اٹھے، اس کا اثر صرف بتوں کی پرستش ہی پر نہ پڑتا تھا بلکہ شاہی خاندان کی مقبولیت اور حاکمیت، پجاریوں اور اونچے طبقے کی معاشی، معاشرتی اور سیاسی حیثیت اور پورے ملک کی اجتماعی زندگی اس کی زد میں آتی تھی۔ ان کی دعوت کو قبول کرنے کے معنی یہ تھے کہ نیچے سے اوپر تک ساری سوسائٹی کی عمارت منہدم کر دی جائے اور اسے ازسرِ نو توحید الوہیت کی بنیاد پر تعمیر کیا جائے۔ اسی لیے ابراہیمؑ کی آواز بلند ہوتے ہی عوام و خواص سب بیک وقت اس کو دبانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

خلیل اللہ کا مشن:

خلیل اللہ مادی لحاظ سے خوشحال، نسبی لحاظ سے اعلیٰ و ارفع اور مرتبے و مقام کے لحاظ سے بہت اونچے گھرانے میں پیدا ہوئے اور اپنے اردگرد دنیا کی تمام نعمتیں، راحتیں اور سہولتیں میسر پائیں۔ یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہ ہوگا کہ دنیا میں جتنی چیزیں ایسی ہیں جن سے انسان کو رغبت ہوتی ہے اور ان کو حاصل کرنے کی خواہش و تمنا کرتا ہے، وہ تمام خلیل اللہ کو میسر تھیں، لیکن حق منکشف ہونے سے لے کر مرتے دم تک ان کی پوری زندگی سراسر تسلیم و رضا اور قربانی سے عبارت رہی ہے۔ انھوں نے حاصل شدہ تمام نعمتوں اور راحتوں کو حق کی خاطر قربان کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ اس دنیا میں جتنے خطرات سے انسان کو واسطہ پیش آنا ممکن ہے اور جن سے آدمی ڈرتا اور گھبراتا ہے، ان میں سے کوئی خطرہ ایسا نہیں تھا جسے انھوں نے حق کی راہ میں نہ جھیلا ہو اور اس کے مقابلے میں ثابت قدمی اور استقلال نہ دکھایا ہو۔

ابراہیم علیہ السلام کی ان عظیم قربانیوں کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا کا امام، پیشوا اور رہنما بنایا۔ ارشادِ باری ہے:

وَ اِذِ ابْتَلٰی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ۝ (البقرۃ۲: ۱۲۴)

''یاد کرو کہ جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب میں پورا اتر گیا، تو اللہ نے کہا میں تجھ کو سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ ابراہیم نے عرض کیا اور کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے؟ اللہ نے جواب میں فرمایا: میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے''۔

آج دنیا کی تقریباً دو تہائی آبادی حضرت ابراہیمؑ کو اپنا پیشوا اور رہنما مانتی ہے، ان کے رسول ہونے پر ایمان رکھتی ہے، ان سے اپنا روحانی تعلق جوڑتی ہے اور انھیں محبت وعقیدت اور عظمت و عزت سے دیکھتی ہے۔ ایک لحاظ سے یہ قرآن کا اعجازِ علمی ہے کہ قرآن مجید نے اس وقت ان کے امام ہونے کا بتلایا جب دنیا اس حقیقت کو فراموش کر چکی تھی۔

حضرت ابراہیمؑ نے نبی، رسول، امت کی ہدایت کے ذمہ دار اور امام الناس ہونے کی بنیاد پر کارہائے نبوت کے وہ سب کام احسن طریقے سے سرانجام دیے جو تمام انبیائے کرام کرتے رہے ہیں۔ انھوں نے توحید کا علم بلند کیا اور اس کا حق ادا کر دیا۔ لوگوں کو بت پرستی، شرک، توہمات اور خرافات سے نکال کر اللہ کے بندے بنایا اور وطن پرستی، نسلی تفاخر، عصبی منافرت سے نجات دلائی، انسانوں کو انسانوں کی غلامی، بادشاہوں کی چاکری اور طبقہ واریت کی ذلت سے نکال کر آزاد انسان بنایا۔ بتوں اور رسم و رواج کی دلدل سے نکال کر اللہ کا فرمانبردار، مسلم اور مومن بنایا، ان کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کیا، دنیا میں توحید کے مراکز بنائے، ان کو مستقل آباد کرنے کے لیے سعی و جدوجہد، دعائیں اور تدبیریں کیں اور آخر کار اپنے مقصد میں کامیاب و کامران ہو گئے۔ **فسبحان اللہ وبحمدہ و سبحان اللہ العلی العظیم۔**

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کو خدمتِ خلق کے پہلو سے دیکھا جائے اور شفقت علی الخلق کے نقطۂ نظر سے جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ آپ نے ان اُمور کو

نہایت بہترین انداز سے اور عمدہ طریقے سے سرانجام دیا۔ ان کا کام موجودہ دور کے خدمتِ خلق اور رفاہی کاموں سے بے شمار حیثیتوں سے افضل ہے۔ اس سے پہلے چند بنیادی باتیں پیش کی جاتی ہیں:

الف) انبیائے کرام اور ان کے پیروکار شفقت علی الخلق کے جو رفاہی کام کرتے ہیں، اس سلسلے میں ان کی نیت اور مقصد محض اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے اور آخرت کے لیے اجر حاصل کرنا ہوتا ہے۔

ب) بندوں کی خدمت یہ سمجھ کر کرتے ہیں کہ ان لوگوں کا ہم پر حق ہے جو ہم ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر ان کی خدمت لازم کی ہے۔ اسے ہم ادا نہیں کریں گے تو قیامت کے دن ہم سے باز پرس اور ہماری گرفت ہوگی۔

ج) یہ حضرات خدمتِ خلق کے کاموں کا کوئی اجر، معاوضہ اور بدلہ اس دنیا میں نہیں چاہتے اور نہ اس سلسلے میں کوئی احسان جتلاتے ہیں۔

د) تمام انسانیت کی یکساں خدمت کرتے ہیں۔ انسانوں کے درمیان مذہب، رنگ و نسل، ذات پات اور علاقے، خطے اور لسانیت و وطنیت کی بنیاد پر کوئی فرق نہیں کرتے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے کام میں یہ سب خصوصیات بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ ذیل میں خدمتِ خلق کے ضمن میں ان کے چند کاموں کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے:

ا۔ اصلاحی مرکز کا قیام

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ وحدہٗ کی عبادت کے لیے توحید کا مرکز مکہ کی وادی میں اس وقت قائم کیا جب یہاں پر نہ انسان آباد تھے، نہ سبزہ، گھاس اور پانی کا ہی نام ونشان تھا۔ ایک لق ودق اور چٹیل وادی میں محض کالے اور خشک پہاڑ تھے۔ اس مرکز کے قیام کے لیے انھوں نے اپنی بیوی اور ننھے بیٹے کو یہاں رہنے کے لیے چھوڑا۔

یہ مرکز جہاں توحیدِ باری تعالیٰ اور دین کی اشاعت و اقامت کے لیے تھا، وہاں یہ ایک امت کا مرکز، مستقل گہوارا اور بنیاد بھی تھا تاکہ امت مسلمہ خانہ بدوشوں کی صورت میں دربدر ماری نہ پھرتی رہے۔ الحمدللہ ان کا بسایا ہوا مرکز قیامت تک اسی طرح ترقی کرتا رہے گا۔

(مزید ملاحظہ کریں سورۃ ابراہیم آیت ۳۵ تا ۳۷)

۲۔امن کا قیام

انسان کی بنیادی ضرورتوں میں اس کی جان و مال اور عزت و آبرو کی سلامتی نہایت اہمیت کی حامل ہے۔سیدنا ابراہیمؑ نے اپنی اولاد اور اپنے پیروکاروں کے لیے اس بنیادی ضرورت کا نہایت عمدہ بندوبست کیا۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ○

''ابراہیم نے کہا (دعا کرتے ہوئے عرض کیا) پروردگار! اس شہر (مکہ) کو امن کا شہر بنا اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا''۔ (ابراہیم۱۴:۳۵)

خلیل اللہ کی یہ دعا قرآن مجید میں کئی مقامات پر بیان ہوئی ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی اور شہرِ مکہ کو قیامت تک کی لیے حرم (محترم و مامون) قرار دے کر جائے امن بنا دیا۔ارشاد ہے:

وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ؕ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى ؕ

(البقرة۲:۱۲۵)

''اور یہ کہ ہم نے اس گھر (کعبے) کو لوگوں کے لیے مرکز اور امن کی جگہ قرار دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ ابراہیم جہاں عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے، اس جگہ کو مستقل جائے نماز بنا لو''۔

نبی کریمﷺ کا ارشاد ہے:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّﷺ يَقُوْلُ لَايَحِلُّ لِاَحَدِكُمْ اَنْ يَّحْمِلَ بِمَكَّةَ السَّلَاحَ (رواه مسلم)

''حضرت جابرؓ نے کہا کہ میں نے نبیﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم میں سے کسی شخص کے لیے مکہ میں (لڑنے کے لیے) ہتھیار اٹھانا جائز نہیں''۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود اس شہر کی البلد الامین (امن والا شہر) کہہ کر قسم کھائی ہے۔(سورۃ التین)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ثبوت یہ ہے کہ ہزاروں سال سے حرم کے باشندے، امن و سلامتی سے رہتے آ رہے ہیں جبکہ صدیوں تک یہ حالت ہی رہی کہ ان کے اردگرد کے لوگ اچک لیے جاتے تھے، باہمی جھگڑے اور فساد ہوتے رہے ہیں، لوٹ مار چوری، ڈاکہ زنی اور خونریزی کی

وارداتیں ہوا کرتی تھیں لیکن حرم میں ہمیشہ امن وسکون برقرار رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کیفیت کو سورہ قریش میں امنھم من خوف کہہ کر بیان کیا ہے اور دوسری جگہ حرم کے امن اور ارد گرد کے علاقے کی حالتِ زار اس طرح بیان کی:

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ یُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَكْفُرُوْنَ٥ (العنکبوت۲۹:۶۷)

''کیا یہ دیکھتے نہیں ہیں کہ ہم نے ایک پُر امن حرم بنا دیا ہے حالانکہ ان کے گرد و پیش لوگ اچک لیے جاتے ہیں؟ کیا پھر بھی یہ لوگ باطل کو مانتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا کفران (ناشکری) کرتے ہیں''۔

دینِ اسلام وشریعتِ مطہرہ کے نفاذ کی غرض وغایت اور بڑا مقصد یہی ہے کہ لوگ امن وسلامتی سے رہیں، انھیں کسی کی زیادتی، کسی کے ظلم وستم اور جور وجبر کا ڈر نہ رہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کم از کم اپنے قائم کیے ہوئے مرکز میں یہ بندوبست نہایت بہترین انداز میں کر دیا۔

۳۔ کھانے کا انتظام

حضرت ابراہیمؑ نے جب اپنی اولاد کو مکہ کی ویران اور بے آب وگیاہ وادی میں بسایا تو ان کی غذائی ضروریات کے بندوبست کے لیے اپنے پروردگار سے دعا کی:

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ٥ (ابراھیم۱۴:۳۷)

''پروردگار! میں نے ایک بے آب وگیاہ آبادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے۔ پروردگار یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں، لہٰذا تو لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا اور انھیں کھانے کو پھل دے، شاید کہ یہ شکر گزار بنیں''۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ

الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَ مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ۝ (البقرۃ۲:۱۲۶)

''اور یہ کہ ابراہیم نے دعا کی، اے میرے رب! اس شہر کو امن کا شہر بنا دے اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور آخرت کو مانیں، انھیں ہر قسم کے پھلوں کا رزق دے۔ جواب میں ان کے رب نے فرمایا، اور جو نہ مانے گا، دنیا کی چند روزہ زندگی کا سامان تو میں اسے بھی دوں گا مگر آخر کار اسے عذابِ جہنم کی طرف گھسیٹوں گا اور وہ بدترین ٹھکانا ہے''۔

خلیل اللہ نے اپنے پیروکاروں کے لیے نہ صرف خوراک کے لیے غذا مانگی بلکہ پھلوں کی بھی خواہش کی، تاکہ ان کی امت کے لوگ خوب کھائیں، صحت بنائیں، اللہ کا شکر ادا کریں، نماز قائم کریں اور اللہ کے فرمانبردار بندے بن کر رہیں۔ پھر ان کے لیے لوگوں کا میلان ومحبت اور الفت ومودت بھی طلب کی تاکہ لوگ دل سے کھنچ کر ان کی طرف آئیں۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کی یہ سب دعائیں قبول فرمائیں چنانچہ آج تک لاکھوں انسان ہر سال مشرق ومغرب اور شمال وجنوب سے کھنچ کھنچ کر وہاں جاتے ہیں۔ اعلیٰ قسم کے پھلوں اور میووں کی وہ افراط ہے جو شاید دنیا کے کسی مقام پر نہ ہو۔ ہر موسم کا پھل ہر وقت بکثرت موجود ہے حالانکہ خود مکہ میں کوئی بھی پھلدار درخت موجود نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کا ذکر یوں بیان فرمایا ہے:

اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰۤى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۝ (القصص۲۸:۵۷)

''کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم نے ایک پُرامن حرم کو ان کے لیے جائے قیام بنا دیا جس کی طرف ہر قسم کے ثمرات کھنچے چلے آتے ہیں، ہماری طرف سے رزق کے طور پر؟ مگر ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں''۔

اور سورہ قریش میں فرمایا: وَ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ''اور بھوک سے بچا کر کھانے کو دیا''۔

۴۔ پانی کا بندوبست

وادی مکہ میں شیریں پانی نایاب تھا، یہاں زیرِ زمین پانی شور زدہ اور کڑوا ہے۔ جس وقت حضرت

ابراہیمؑ نے اپنے شیرخوار بیٹے اسماعیل اوران کی والدہ ہاجرہ کو وہاں پر چھوڑا اس وقت پانی کا بالکل نام و نشان نہ تھا۔ یہ قصہ بخاری شریف کی روایت کے مطابق حفظ الرحمٰن سیوھاروی مؤلف قصص القرآن کے قلم سے پیش کیا جاتا ہے:

ابراہیمؑ، ہاجرہ اوراس کے شیرخوار بچے اسماعیل کو لے کر چلے اور جہاں آج کعبہ ہے، اس جگہ ایک بڑے درخت کے نیچے زمزم کے موجودہ مقام سے بالائی حصہ پران کو چھوڑ گئے۔ وہ جگہ ویران اور غیرآباد تھی اور پانی کا بھی نام ونشان نہ تھا۔ اس لیے ابراہیمؑ نے ایک مشکیزہ پانی اور ایک تھیلی کھجور بھی ان کے پاس چھوڑی اور پھر منہ پھیر کر روانہ ہو گئے۔ ہاجرہ ان کے پیچھے پیچھے یہ کہتی ہوئی چلیں، اے ابراہیم تم ہم کو ایسی وادی میں کہاں چھوڑ کر چل دیے، جہاں نہ آدمی ہے نہ آدم زاد اور نہ کوئی مونس و غمخوار۔ ہاجرہ برابر یہ کہتی جاتی تھی مگر ابراہیمؑ خاموش چلے جارہے تھے۔ آخر ہاجرہ نے دریافت کیا، کیا تیرے خدا نے تجھ کو یہ حکم دیا ہے، تب حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: ''ہاں! یہ خدا کے حکم سے ہے۔ ہاجرہ نے جب یہ سنا تو کہنے لگیں، اگر یہ خدا کا حکم ہے تو بلاشبہ وہ ہم کو ضائع اور برباد نہیں کرے گا اور پھر واپس لوٹ آئیں، ابراہیم چلتے چلتے جب ایک ٹیلہ پر ایسی جگہ پہنچے کہ ان کے اہل وعیال نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو اس جانب جہاں کعبہ ہے رخ کیا اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی:

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ○ (ابراھیم ۱۴:۳۷)

''اے ہم سب کے پروردگار! (تو دیکھ رہا ہے کہ) ایک ایسے میدان میں جہاں کھیتی کا نام و نشان نہیں، میں نے اپنی بعض اولاد تیرے محترم گھر کے پاس لا کر بسائی ہے کہ نماز قائم رکھیں، (تاکہ یہ محترم گھر عبادت گزاران توحید سے خالی نہ رہے) پس تو (اپنے فضل وکرم سے) ایسا کر کہ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہو جائیں اور ان کے لیے زمین کی پیداوار سے سامانِ رزق مہیا کردے تاکہ تیرے شکرگزار ہوں''۔

ہاجرہ چند روز تک مشکیزہ سے پانی اور خورجی سے کھجوریں کھاتی اور اسماعیل کو دودھ پلاتی رہیں لیکن وہ وقت بھی آ گیا کہ پانی رہا نہ کھجوریں، تب وہ پریشان ہوئیں۔ چونکہ وہ بھوکی پیاسی تھیں، اس

لیے دودھ بھی نہ اترتا تھا اور بچہ بھی بھوکا پیاسا رہا، جب حالت دگرگوں ہونے لگی اور بچہ بیتاب ہونے لگا تو ہاجرہ، اسماعیل کو چھوڑ کر دور جا بیٹھیں تا کہ اس حالتِ زار میں اس کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھیں، کچھ سوچ کر قریب کی پہاڑی صفا پر چڑھیں کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ نظر آ جائے یا پانی نظر آ جائے مگر کچھ نظر نہ آیا، پھر بچے کی محبت میں دوڑ کر وادی میں آ گئیں، اس کے بعد دوسری جانب کی پہاڑی مروہ پر چڑھ گئیں اور وہاں بھی جب کچھ نظر نہ آیا تو پھر تیزی سے لوٹ کر وادی میں بچے کے پاس آ گئیں اور اس طرح سات مرتبہ کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس مقام پر پہنچ کر فرمایا کہ یہی وہ ''سعی بین الصفا والمروہ'' ہے جو حج میں لوگ کرتے ہیں، آخر میں جب وہ مروہ پر تھیں تو کانوں میں ایک آواز آئی، چونکیں اور دل میں کہنے لگیں کہ کوئی پکارتا ہے، کان لگایا تو پھر آواز آئی، ہاجرہ کہنے لگیں اگر تم مدد کر سکتے ہو تو سامنے آؤ، تمہاری آواز سنی گئی، دیکھا تو خدا کا فرشتہ (جبرائیل) ہے، فرشتے نے اپنا پر اسماعیل کے قدموں کے پاس مار کر مٹی ہٹا دی پھر اسماعیل نے پیر (یا ایڑی) اس جگہ مارا جہاں زمزم ہے، اس جگہ سے پانی اُبلنے لگا۔ ہاجرہ نے یہ دیکھا تو پانی کے چاروں طرف باڑھ بنانے لگیں مگر پانی برابر اُبلتا رہا۔ اس جگہ پہنچ کر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ امِ اسماعیلؑ پر رحم کرے، اگر وہ زمزم کو اس طرح نہ روکتیں اور اس کے چار جانب باڑھ نہ لگاتیں تو آج وہ زبردست چشمہ ہوتا۔ (قصص القرآن۔ حفظ الرحمٰن سیوہاروی)

۵۔ تعلیم و تربیت کا بندوبست

اول: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد، پیروکاروں اور عقیدت مندوں کے لیے جہاں زندگی کی مادی ضروریات کا بندوبست کیا اور اللہ تعالیٰ سے مانگ کر تمام ضروری چیزیں مہیا کیں، وہاں ان کی اہم روحانی و جسمانی ضرورت یعنی تعلیم و تربیت کا انتظام بھی نہایت بہترین طریقے سے کیا۔ اس سلسلے میں ایک تو خود ان کو تعلیم دی، تربیت کی اور بہت سی برائیوں سے انھیں پاک کیا۔ ان کی یہ تعلیم قرآن مجید میں سورہ النجم ۵۳ کی آیات ۳۵ سے ۵۴ تک پھیلی ہوئی ہے۔ ان آیات میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی تعلیمات کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے جس میں انسان کی حقیقت، اس کا انجام، جزا و سزا کے سلسلے میں اللہ کا قانون، اللہ تعالیٰ کو توحید و قدرت اور کائنات پر اس کی حکمرانی کا بیان واضح انداز میں ذکر کیے گئے ہیں۔

دوم: انھوں نے اپنی اولاد اور اپنے پیروکاروں کی مستقل تعلیم و تربیت کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ

سے ان میں ایک رسول اٹھانے کی گذارش کی۔ اس ضمن میں آپ کے پیشِ نظر چار مقاصد تھے۔ سورہ بقرہ کی آیت ۱۲۹ میں ارشادِ باری ہے:

رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

''اے رب ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک ایسا رسول اٹھائیو جو انھیں تیری آیتیں سنائے، ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے۔ تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے''۔

یہ آیت تھوڑی سی لفظی تبدیلی اور تقدیم و تاخیر سے قرآن پاک میں چار مرتبہ آئی ہے جن میں تعلیم و تربیت کے سلسلے میں بنیادی اہمیت رکھنے والے چار بنیادی امور بیان کیے گئے ہیں، ان کا مختصر سا تذکرہ کیا جاتا ہے:

الف) تلاوتِ آیات: اس عمل میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ مسلم معاشرے میں اللہ تعالیٰ کی آیات کی زندگی کے مختلف مواقع پر تلاوت ہوتی رہے تاکہ اجر و ثواب کے ساتھ روح کو بالیدگی اور پاکیزگی حاصل ہو اور تلاوت کرنے والے اور سننے والے برائیوں سے بچ کر رہیں۔

ب) تعلیم کتاب: اس سے مراد ہے کہ کتاب اللہ کی اس طرح تعلیم دی جائے کہ اس کو پڑھنا آئے، اس کے معانی و مطالب سمجھ میں آئیں اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ معلوم ہو اور فی الواقع اس پر عمل ہو سکے۔

ج) تعلیم حکمت: اس تعلیم کا دائرہ بہت وسیع ہے کہ ایک طرف قرآن مجید کی تشریح و تعبیر اور توضیح سامنے آئے، دوسری طرف نبی کریم ﷺ کی سنت کی تعلیم ہو اور اس کے ساتھ زندگی کے تمام معاملات کی تعلیم شامل ہو اور انسان کامل بننے کے لیے جن باتوں کی ضرورت ہوتی ہے، وہ ساری باتیں آجائیں۔

د) تزکیہ: اس سے مراد زندگی سنوارنا ہے یعنی خیالات، اخلاق، معاشرت، تمدن، سیاست، اقتصادیات غرض ہر چیز کو سنوارنا شامل ہے۔ تزکیے کے کلمے کے معنی اور اس کے دائرے میں بہت وسعت ہے۔ اس سے ایک مراد یہ بھی ہے کہ جس کا تزکیہ کیا جائے اس میں سے تمام غلط، خراب اور غیر اسلامی باتیں نکالی جائیں پھر اس میں وہ باتیں بٹھائی جائیں جو اوپر بیان ہوئی ہیں۔

مختصراً یہ کہ وہ بنیادی تعلیم جس کا بندوبست خلیل اللہؑ نے آج سے چار ہزار سال پہلے کیا تھا انتہائی جامع، کامل اور انسانی زندگی کی بنیادی ضروریات پورا کرنے والی ہے۔ آج ہمارے معاشرے کو بھی ایسے نظام کی شدید ضرورت ہے جس میں صحیح تلفظ، دل نشین لہجے اور تجوید سے قرآن پڑھنا سکھایا جائے۔ اس کے معنی و مفہوم سمجھائے جائیں، اس کے مطابق تعلیم لینے والوں کی تربیت کی جائے۔ انھیں مومن کی سی زندگی گزارنے کی تعلیم دی جائے، ان کو تہذیب و ثقافت اور تمدن سکھایا جائے اور اخلاقی صفات سے مزین و متصف کیا جائے۔

۶۔ فطری باتوں کی تربیت

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انسانوں کی تربیت و تعلیم، فطرت سلیمہ کے مطابق دی اور ان کو مہذب و متمدن انسان بنانے میں بنیادی رہنمائی اور کردار ادا کیا۔ حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلیل اللہ کو جہاں اور احکام دے کر ان کی آزمائش کی، وہاں دس فطری باتوں پر عمل کرنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ عائشہؓ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''دس باتیں فطرت (انسانی فطرت اور طبیعت) کے مطابق ہیں۔ مونچھیں تراشنا، داڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈال کر صاف کرنا، ناخن کاٹنا، انگلیوں کے جوڑ دھونا، بغلوں کے بال صاف کرنا، زیرِ ناف کے بال صاف کرنا، استنجا کرنا اور کلی کرنا''۔ دوسری روایت میں ختنہ کرانا بھی آیا ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ انھوں نے انسانوں کی معاشرتی، تمدنی و تہذیبی تربیت کر کے، بنا سنوار کر مہذب اور کامل انسان بنایا۔ مذکورہ بالا حدیث پر انسان عمل کرے تو وہ کتنا خوبصورت، وضع دار، باسلیقہ اور صاف ستھرا انسان بن جائے گا۔ خدمتِ خلق اور شفقت علی الخلق کا یہ بہترین کارنامہ ہے۔ ہزاروں لاکھوں انسان مل کر ایسی کوئی خدمت سرانجام دیں تب جا کر ان کے کام کا کچھ اثر ظاہر ہوگا اور لوگوں کی اصلاح و ترقی ہوگی۔ لیکن ابراہیمؑ نے تن تنہا اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا اور رہتی دنیا تک اپنی سنت چھوڑی۔ حضرت سعید بن مسیّب سے روایت ہے کہ ابراہیمؑ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے ان باتوں پر پوری طرح خود عمل کیا اور دوسروں کو عمل کرنا سکھایا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (النحل ۱۶:۱۲۰)

''واقعہ یہ ہے کہ ابراہیم اپنی ذات میں ایک پوری امت تھا، اللہ کا مطیع فرمان اور وہ کبھی بھی مشرک نہ تھا''۔

حضرت ابراہیمؑ کا دنیا پر یہ بہت بڑا احسان اور انعام ہے۔ یہ کام انھوں نے تمام انسانوں کی رہنمائی و بھلائی اور بہتری کے لیے سرانجام دیا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا آج تک انھیں اپنا امام اور رہنما مانتی ہے۔

۷۔میزبانی اور آدابِ میزبانی

حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کے جو معاشرتی اور اخلاقی پہلو قرآن مجید نے پیش کیے ہیں، ان میں سے ایک ان کی مہمان نوازی ہے۔ قرآن مجید نے ان کی میزبانی اور مہمان نوازی کو تین مقامات پر تین سورتوں میں بیان کیا ہے۔ سورۂ ہود ۱۱:۶۹۔۷۱، سورہ الحجر ۱۵:۵۱۔۵۳، سورہ الذاریات ۵۱:۲۴۔۲۹ میں آپ کی میزبانی کے مختلف پہلو بیان کیے گئے ہیں۔ ان آیات کو ملا کر مطالعہ کیا جائے تو جہاں مہمان نوازی کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، وہاں میزبانی کے بعض اہم آداب بھی سامنے آتے ہیں۔

سیدنا ابراہیمؑ کی مہمان نوازی کے بارے میں قرطبی نے سعید بن مسیب سے ایک روایت بیان کی ہے:

''حضرت ابراہیمؑ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مہمان کی (عمدہ طریقے سے) مہمانی کی ہے۔ روایت ہے کہ وہ مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ بعض اوقات وہ راستے پر جا کر بیٹھ جاتے اور مہمان تلاش کر کے گھر لاتے اور اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے''۔ تفسیر قرطبی میں ایک یہ روایت بیان ہوئی ہے کہ ابراہیمؑ اکیلے کھانا نہیں کھاتے تھے۔ جب کھانا سامنے آتا اور کوئی کھانے والا نہ ہوتا تو اپنے خادموں کو کہتے کہ باہر جا کر کسی کھانے والے کو تلاش کر کے لاؤ جو ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائے۔ ایک مرتبہ ایک آدمی ان کے کھانے میں شرکت کے لیے آیا۔ وہ جب کھانے پر بیٹھا تو آپ نے اس سے کہا کہ پہلے اللہ کا نام لو، پھر کھاؤ۔ اس نے کہا میں نہیں جانتا کہ اللہ کون ہے؟ اس پر آپ نے فرمایا: پھر میرے دسترخوان سے چلے جاؤ''۔ جب وہ چلا گیا تو جبرائیل آپ کے پاس آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس (اللہ) نے اسے باوجود اس کے کفر کرنے کے اتنی طویل عمر تک رزق دیا ہے اور تم نے ایک لقمہ پر بخل برتا۔ چنانچہ ابراہیمؑ جلدی سے اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے باہر نکلے اور اسے آواز دی کہ

واپس آجاؤ۔ اس نے کہا کہ جب تک آپ مجھے بلانے کا سبب نہیں بتائیں گے، میں نہیں آؤں گا۔ اس پر ابراہیمؑ نے اس کو ساری بات بتائی تو اس نے کہا یہ رب بڑا کریم ہے، میں اس پر ایمان لایا۔ پھر واپس لوٹا اور اللہ کا نام لے کر مومن بن کر کھانا کھایا۔ نص قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مہمان کے لیے بہترین کھانا تیار کراتے، اسے پیش کرتے اور ساتھ بیٹھ کر تناول فرماتے تھے۔

خلیل اللہ کی حیاتِ طیبہ پر ایک نظر:

حضرت ابراہیمؑ کے قصے کے مختلف اجزاء سے ان کی جو تصویر سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ وہ عظیم موحد، توحید کے رہنما و علمبردار، شرک و بدعات اور خرافات سے بیزار، عبادت اور اطاعتِ الٰہی سے سرشار، جہاد فی سبیل اللہ میں یکتائے روزگار، اللہ پر توکل کرنے، حق کی راہ میں آنے والے خطرات کی پروانہ کرنے، اللہ کی راہ میں ہر قسم کی جانی، مالی اور خاندانی اور وطنی قربانی دینے والے، دعوت و تبلیغ اور اصلاح کے لیے انتہائی کوشش کرنے والے، لوگوں کی تربیت و تعلیم کے لیے منصوبہ ساز اور خود اس پر عمل پیرا ہونے والے، مجسم تقویٰ اور تن، من، دھن سے اللہ کی راہ میں دن رات مصروفِ عمل نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں کہیں نبیﷺ کو اپنے لیے نمونہ بنانے کا حکم دیا، وہاں سیدنا ابراہیمؑ کی ذات کو اسوۂ حسنہ بنانے کا ارشاد بھی فرمایا: ''تم لوگوں کے لیے ابراہیمؑ اور اس کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انھوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا کہ ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو، قطعی بیزار ہیں۔ ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت ہوگئی اور بیر پڑ گیا، جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔ مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے یہ کہنا (اس سے مستثنیٰ ہے) کہ میں آپ کے لیے مغفرت کی درخواست ضرور کروں گا اور اللہ سے آپ کے لیے کچھ حاصل کر لینا میرے بس میں نہیں ہے''۔ (الممتحنہ ۶۰:۴) اور اسی سورہ میں آگے فرمایا: ''انہی لوگوں کے طرزِ عمل میں تمہارے لیے اور ہر اس شخص کے لیے اچھا نمونہ ہے جو اللہ اور روزِ آخر کا اُمیدوار ہو۔ اس سے کوئی منحرف ہو تو اللہ بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے''۔ (آیت ۶)

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اپنی زندگی دین کی پیروی، اِشاعت اور دعوت و تبلیغ اور رفاہی اُمور اور شفقت علی الخلق کے کاموں میں بھی ان کو اپنے لیے نمونہ بنائیں اور ایک مومن کی سی زندگی گزاریں۔